© rasailojaraid.com

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب

قرآنی ہدایت کا مقصود

فلسفیانہ علوم کو قرآن مجید میں تلاش کرنا قرآن سے بے نیازی کی طرف اقدام ہے۔

جب انسان عالمِ خارجی کے بالمقابل کھڑا ہوتا ہے تو اس کے بارے میں جو کچھ انسان کے حواس پر منکشف ہوتا ہے وہ یہ ہے:

- وہ اس عالم کا ادراک بلا واسطہ کر رہا ہے۔
- یہ عالمِ خارج میں موجود ہے اور
- محسوسات میں کچھ حقیقت ہے۔ اور کچھ نمود ہے۔

عالمِ خارجی کا وجود مشتبہ ہو جائے یا اس کے وجود کی نفی ہو جائے تو نہ علم کا سوال باقی رہیگا، نہ اخلاق کا، نہ آرٹ کا، نہ مذہب کا، نہ معاشرے کا۔

علم کا سوال اس لیے باقی نہ رہے گا کہ علم کے لیے ناظر اور معلوم (منظور) یعنی جو جانے اور جسے جانا جائے دونوں کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ناظر میں علم کی استعداد ہو اور معلوم ایسا ہو جو ناظر کی استعداد سے جانا جا سکتا ہو۔

حواس کی مدد سے حاصل شُدہ علم کی نسبت یقین اس وقت پیدا ہوگا جب انسان کی عقل کے عطا کردہ بنیادی تصوّرات کے حوالے سے سمجھا جا سکے۔ مثلاً "علّت و معلول کے حوالہ سے سمجھنا یقین کو راسخ کرتا ہے۔

جہاں تک اس قضیے کو سمجھنے کا تعلق ہے کہ "آگ جلانے والی ہے" حواس سے آگ کے وجود کا ادراک ہوتا ہے۔ اس کے جلانے کی خاصیت کا ادراک اس سے ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی جل جانے والی چیز آگ میں ڈالی جائے گی وہ ضرور جل جائے گی اس کا ادراک تو تجربے اور مشاہدے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے مگر آگ اور جلانے کے بارے میں حتمی یقین اس سے پیدا ہوگا کہ آگ اور جلانے میں علت و معلول کا تعلق ہے۔

عالمِ خارجی کے وجود ہی پر علم کا انحصار ہے۔ اسی طرح اخلاق کے لیے عالمِ خارجی کا وجود ضروری ہے شخصیت کے تعلق میں انسان کا طرزِ عمل کیا ہوگا، یہ سوال اس بات پر منحصر ہے کہ دوسری شخصیتوں کا وجود ہو تو اخلاق کا سوال پیدا ہوگا۔ اور عالمِ خارجی کا وجود اور اس میں بدصورتی، بدنمائی " Ugliness " ہوگی تو اسے حُسن میں، خوب صورتی میں تبدیل کیا جا سکے گا۔ اسی طرح اگر یہ عالمِ خارج میں موجود ہوگا اور اس کا میری راہ میں مزاحم ہونا اور میرا اس کے مقابلے میں کمزور ہونا مجھے میری کمی، کوتاہی اور میرے نقص کی طرف متوجہ کرے گا تو ایک ایسی باکمال ہستی کے ہونے کا اس سے کسی احتیاج میں استعداد کا تقاضا میری فطرت میں پیدا ہوگا اور میرے گرد و پیش ایک معاشرے کا وجود ہوگا تو میرے دل میں یہ تمنّا پیدا ہوگی۔ معاشرہ ہمدردی، دلسوزی رکھنے والا ہو۔ تعاون کرنے اور فرد کی آرزوؤں سے سازگار ہو اور افراد ایک دوسرے کی آرزو کے مطابق طرزِ عمل اختیار کریں۔

عالمِ خارجی کا انسان کی آرزوؤں میں مزاحم ہونا۔ اخلاقی اعمال کا اخلاقی معیار سے منحرف ہونا۔ بدصورتی، بدنمائی کا وجود اور افراد کا خود غرضی میں مبتلا ہونا ہی معیاری صحت مند سازگار اور خوشگوار معاشرے کی تمنّا پیدا کرتا ہے۔ اور علم کے حصُول، اخلاق کے سارے ماحول کو مزیّن کرنے معاشرے کے پسندیدہ نمونے پر ڈھلنے کی آرزو ہی سے انسان میں خدا طلبی کا داعیہ بیدار ہوتا ہے اور وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش خدا ہوتا جو میری مدد فرماتا اور جب یہ طلب شدّت اختیار کرتی ہے تو اس کی روح کی گہرائی سے پُکار اٹھتی ہے "مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ" اور اس کا جواب "اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ" نہ آئے تو انسان کی تباہی ہے۔ اب ان آرزوؤں اور تمناؤں کے پُورا ہونے کا انحصار اس جواب پر منحصر ہے۔ انبیاء کے ذریعہ وحی کی ہدایت انسان کی حاجتمندی کی تلافی کرتی ہے۔ اور بحیثیت ذریعۂ علم کے وحی اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کا مظہر ہے جس سے وہ انسان کی علمی استعداد کی کمی اور نقص کی تلافی فرماتا ہے۔

لہٰذا پہلی بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ علم بالوحی کا مقصود جس کمی و نقص، کی تلافی کرتا ہے وہ، وہ علم ہے جو انسان کو اس کی اپنی استعداد سے میسّر نہیں آ سکتا" یعلمکم مالم تکونوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَعْلَمُوْنَ" کا دعویٰ اس کی دلیل ہے اور سرچشمہ بھی۔ اب وہ تمام علوم جو انسانی استعداد سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کا سرچشمہ بھی قرآن ہی کو سمجھنا مشکلات پیدا کرے گا۔

ایک یہ کہ انسانی علوم کی نشوونما اس لیے نہ ہو سکے گی کہ انسانی علوم بھی قرآن ہی سے اخذ کیے جاتے رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ جو علم انسان کو اپنی استعداد سے میسّر نہیں آ سکتے ہیں ان کی تلاش قرآن سے نہ کرنے کی بنا پر قرآنی علم و ہدایت سے محرومی پیدا ہو گی۔

تیسرے یہ کہ انسانی ذہن کے پیدا کردہ علوم کو مخصوص قرآنی علم سے متمیز نہ کرنے کی وجہ سے قرآنی ہدایت کے نتیجہ خیز ہونے کا اعتماد زائل ہو جائے گا کیونکہ جن مسائل کا حل صرف وحی سے میسّر آ سکتا ہے ان کا حل انسانی شعور کے زائیدہ علوم میں تلاش کرنے سے ہم وحی کی ہدایت سے محروم ہو جائیں گے اور تفسیری علوم کو قرآنی علم کا بدل سمجھنے کی وجہ سے ہم اس محرومی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ چونکہ تفسیری علوم تزئین و آرائش کے علاوہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے اور اس دور میں علومِ تفسیر کا نتیجہ خیز نہ ہونا قرآنی علم کی نتیجہ خیزی کو مشتبہ بنا چکا ہے اس لیے ہم اپنی دینی تعلیم کے نصاب میں بھی قرآن مجید کی جگہ پیدا کرنے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

الاتقان فی علوم القرآن، تفسیر جلالین کا مقدمہ ہے اور اس میں جن صدہا علوم کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے کوئی علم ہمارے ان مسائل کو حل نہیں کرتا جن سے ہم آج دوچار ہیں۔ مثلاً "جو انقلاب سیرت میں آج درکار ہے اس کی حتمی قطعی اور یقینی تدبیر کیا ہے؟ ہماری معیشت جو دوسروں کی گرفت میں ہے کیسے آزاد ہو سکتی ہے؟ ہماری حیاتِ قومی میں اختلاف کا تدارک کیسے کیا جائے؟ بین الاقوامی سطح پر ہمارا اضمحلال کیسے رفع ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید کی رو سے معاشی حاجتمندی اور سیاسی محکومی جو ایک عذاب کی حیثیت رکھتی ہے جس سے نجات دلانے کے لیے اُمَمِ سابقہ میں پیغمبر اولوالعزم مبعوث ہوتا تھا ختمِ نبوت کے بعد کیونکر ٹل سکتی ہے؟ یا نشوونما کا کامیاب قانون کیا ہے؟

ایک فرد اخلاقی اور روحانی نمونے پر کیسے ڈھل سکتا ہے۔ افراد ایک صحت مند معاشرہ کیسے بن سکتے ہیں؟ عادلانہ معیشت کا نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

خلافت علیٰ منہاج النبوت کا سیاسی نظام کیسے برپا کیا جا سکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن مسائل کا حل قرآن مجید سے اس لیے حاصل نہیں ہو رہا کہ قرآن کو صرف ایسے سوالات کا جواب مہیا کرنیوالی کتاب سمجھا جا رہا ہے جو انسانی شعور کی ناپختگی کے دَور میں نازل ہونے والی کتاب سے بھی حاصل ہوتے تھے کہ نیکی کیا ہے ؟ روحانیت کیا ہے ؟ معاشرہ کیا ہے ؟ معیشت کیا ہے ؟ سیاست کیا ہے ؟ قانون کیا ہے ؟ یہ سب مسائل اُس وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب نیکی بطور واقعہ کے مسلّم ہو جاتے ۔ روحانیت واقعہ بن جاتے ۔ معاشرہ وجود میں آ جاتے معیشت موجود ہو ۔ ریاست قائم ہو گئی ۔ قانون وجود میں آ چکا ہو ۔ ان انسانی مظاہر میں سے ہر ایک مظہر اپنا وظیفہ ادا کر رہا ہو تو ان کی نسبت علوم مدوّن ہوں گے اور یہ سب علوم مدون ہو گئے ہوں جن کا سرچشمہ انسانی شعور ہو گا تو کبھی ان سے وہ مظاہر پیدا نہ ہو سکیں گے کیونکہ یہ مظاہر مقدم اور ان کے علوم مؤخر ہیں ۔

اسلام دینِ فطرت اس لیے نہیں کہ فی الواقعہ جو کچھ بطور واقعہ فطرت میں موجود ہے وہی اسلام ہے بلکہ وہ دینِ فطرت اس لیے ہے کہ فطرتِ انسانی میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں انکی تکمیل کی ضمانت اسلام کی تعلیمات میں موجود ہے ۔ ہوا و ہوس کی پیروی کا میلان انسان کی فطرت میں ہے جو اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے یہ انسان کی فطرت واقعہ ہے اور انسانی فطرت کا ایک پہلو مثالی فطرت ہے جو حصولِ کمال کا طلب گار ہے اس فطرت کے تقاضے اسلام سے پُورے ہوتے ہیں عیسائیت چونکہ فطرت واقعیہ کے تقاضوں کی نفی کرتی ہے اس لیے حاضر کا انسان عیسائیت (مذہبیت) کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور ہیومن ازم اور سیکولرازم کو سراہتا ہے ۔ واقعی فطرت اور مثالی فطرت میں امتیاز پیدا کیے بغیر اسلام کو دینِ فطرت کہنا اسلام اور کفر کو عین یکدگر بنانے کی کوشش ہے ۔

فطرت واقعی مطالبہ حقوق پر مُصر ہے فطرتِ مثالی ادائے حقوق سے تکمیل پذیر ہے فطرتِ واقعیہ مفاد پرستی پر مائل ہے اس لیے مطالبہ حقوق پر مُصر ہے عمرانی فطرت اجتماع کی طلبگار ہے جو جبر اور ڈکٹیٹ بھی پیدا کرتے ہیں ملکیت کا داعیہ فطرت میں موجود ہے اس لیے فطرت یہ ہے کہ اپنی ملکیت سے دوسرے کو فائدہ نہ اٹھانے دیا جائے ۔ فطرت اقتدار کی طلبگار ہے داعیہ تحکم اطاعت کروانا چاہتا ہے مطلق العنان ملوکیت بھی اقتدار کی طلبگار ہے اور جمہوریت بھی اقتدار کی طالب ہے ۔ مگر کس کا اقتدار ؟

جو علوم انسانی استعداد سے وجود میں آ سکتے ہیں ان کو قرآن سے تلاش کرنا قرآنی ہدایت سے بے نیازی کی طرف ایک قدم ہے ۔ طبعیات، ہیئت، فلکیات وغیرہ کے نقطہ نظر سے قرآن کی تفسیر علوم جدیدہ کے سہارے "ApoLogy for Quran" کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اور قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے قرآن کے دعاوی کو سامنے رکھ کر ان کی نشاندہی کے مطابق ہدایت اخذ کرنے سے [illegible] نتائج پیدا کر سکتے ہیں

© rasailojaraid.com